مدرسۂ رسولؐ کا پہلا فلسفی

آیۃ اللہ علاّمہ سید مجتبیٰ حسن کامونپوری صاحب رحمہ اللہ

فلسفہ کیا ہے؟

انسان غور وفکر کرنے والا ایک حیوان ہے۔اس کی فکر وقت اور جگہ کی قید سے آزاد ہے۔ ماضی، حال و مستقبل، نزدیک و دور کی فضا میں اس کی فکر تیرتی رہتی ہے۔ قدرۃً ہرانسان ایک چھوٹا سا فلسفی ہے۔ اگر وہ فکر ونظر کے صحرا میں حقائق کو ڈھونڈھتا ہوا دور تک نکل جائے تو فلسفہ کی کتابوں میں اس کے نظریئے درج ہونے لگتے ہیں اور اسے فلسفی کا لقب مل جاتا ہے۔

فلسفی عالم پر ایک خاص نظام کے ماتحت مجموعی طور پر نظر ڈالتا ہے اسباب وعلل کی گتھیاں سلجھانا، ذرّے سے سورج تک ہر مخلوق کو ایک مرکزی قانون کے ماتحت مان کر تحقیقات کو آگے بڑھانا۔ کائنات میں روح کائنات کا پتہ لگانا۔ زندگی کا مفہوم ومقصد مقرر کرنا، وجود وعدم، روح وجسم، خوش بختی وبدبختی، افلاس ودولت، صحت ومرض زندگی بعد مرگ، خیر وشر، جبر واختیار وغیرہ سے بحث کرنا فلسفہ ہے۔

کیا عربوں کا کوئی فلسفہ ہے

اگرچہ فلسفہ یونانی لفظ ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ لفظ سب سے پہلے فیثاغورث (یونانی حکیم) سے سُنا گیا لیکن معنی کے اعتبار سے یہ کہنا آسان نہیں ہے کہ انبیاءؑ کو مستثنیٰ کرنے کے بعد پہلا وہ کون سا شخص ہے جس نے کائنات پر کسی خاص اور ہمہ گیر نظام کے ماتحت نظر ڈالی۔

سامی اقوام میں عرب اپنی ''جہالت'' کی وجہ سے سادہ فکری میں ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔ ملکِ عرب میں صرف پانی اور گھاس کی کمی نہ تھی، دقیق تصورات، اصول معاشرت کے باریک مسائل انسانی زندگی کے گہرے فلسفہ پر بھی عربی دماغ نے کبھی وقت نہیں صرف کیا تھا۔ عربی جسم جس قدر ہتھیار سے بوجھل ہوتا تھا اتنا ہی عربی دماغ پیچیدہ ونازک خیالات سے سبکسار اور ہلکا۔ عربی جسم ہر وقت قبائلی فتنوں اور جنگی خطروں کے تلاطم سے دوچار رہتا تھا لیکن عربی دماغ مسلسل فکر، اغراق، مبالغہ، اور فکری پرواز کے اعتبار سے ہمیشہ بے گانہ رہا۔ کوئی حکیم ہو یا شاعر ایک ہی قسم کے پیش پا اُفتادہ خیالات اس کی کشکول میں ملیں گے سرزمین عرب میں عکاظ وذوالمجاز ومجنّہ میں بڑے بڑے ادبی بازار سجائے گئے لیکن ان کا حاصل کیا نظر آیا۔ بدیہہ گوئی پر ناز، جنگی فتحیابیوں کے طنطنے، نسلی امتیازات کے رجز، جوش پیدا کرنے والی انتقامی نظموں اور غارت گری وشراب خواری کی ثناء وصفت پر سر دھنا۔ اسٹیج پر نئے نئے شاعر نظر آئیں گے۔ بحروں اور قافیوں کی تبدیلیاں بھی ہوں گی لیکن خیالات میں کوئی جدّت وتنوّع کا شائبہ بھی نہ ملے گا البتہ وہ بستیاں جو صحرا کے کنارے کنارے چلی گئی تھیں کسی قدر

تہذیب وتمدّن اور فکر ودانش کی زمین پر رینگتی ہوئی نظر آتی ہیں، جنوب میں عہد مسیحی میں ملکہ سبا کی قدیم سلطنت حبش یا ایران کی باجگزار تھی۔ مغرب میں قدیم تجارتی شاہراہ پر مکہ ومدینہ تھا شمال میں دو نیم آزاد عربی سلطنتیں تھیں۔ حیرہ میں ایران سے ملی ہوئی لخمیوں کی سلطنت تھی اور بیزنطیوں کی طرف عیسائیوں کی سلطنت شام میں تھی۔ اہل حیرہ کے ذریعہ سے ایرانی بادشاہوں کے حالات اور ان کی کچھ حکیمانہ کہاوتیں اور عیسائیوں کے ذریعہ سے رومیوں کے کچھ حالات ان تک پہنچے تھے۔ یہودیت ونصرانیت نے تورات وانجیل اور قومی روایات سے بھی کسی قدر عربوں کو واقف کردیا تھا۔ عربوں میں زبان، شاعری اور قبائلی یکجہتی کے سوا آپس میں کیا رشتہ تھا اور ان کے پاس کیا تھا جسے اُن کا فلسفہ کہا جائے۔

اسلام کا فکری انقلاب

اسلام نے اس بنجر زمین کو زندگی کا ہرا بھرا باغ بنایا اور جہاں پانی اور گھاس کا قحط تھا وہاں حکمت ودانش کے سمندر لہرانے لگے اور فکر کے میدان میں حدِ نظر تک سبزے لہلہانے لگے۔ اسلام نے فلسفہ کو اصطلاحات کے بار اور اسلوب کی خشکی سے آزاد کیا، وزنی سے وزنی بات کو پھول کی طرح سُبک بنا کر پیش کیا۔ امام محمد باقرؑ تاریخ افکار کے اس نکتہ پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

مَا كَلَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ الْعِبَادَ بِكُنْهِ عَقْلِهِ قَطُّ وَ قَالَ اِنَّا مَعَاشِرَ الْاَنْبِيَاءِ اُمِرْنَا اَنْ نُكَلِّمَ النَّاسَ عَلٰى قَدْرِ عُقُوْلِهِمْ۔ (کافی کتاب العقل، ص ۱۳)

رسولؐ اللہ نے کبھی اپنی عقل کو پیمانہ بنا کر کسی سے بات نہیں کی۔ آپ کا ارشاد تھا کہ گروہ انبیاء کو حکم ہے مخاطب کے فہم کا اندازہ لگا کر بات کریں۔

اسلام نے نسلی وقبائلی حد بندیاں توڑیں اور دماغی پرواز کے لئے لامحدود دنیا کا جغرافیہ پیش کیا۔ عالمگیر نظام زندگی کو آسان ودلکش طرز بیان میں پہنچوا دیا۔ ذہن انسانی کو جھنجھوڑا، ایمان باللہ اور صفات خدا کے پردہ میں مظاہر کائنات کا عشق دل میں پیدا کرکے انسان کو تحقیق وتلاش کا گرویدہ بنا دیا۔ کھنڈروں پر فراق دوست میں آنسو بہانے کا دور ختم ہوا۔ اونٹوں کی مینگنی کی اعلیٰ تشبیہ کے لئے وقت اور دماغ کے بے جا مصرف کا زمانہ بدلا، صلح وآدمیت سے اظہار نفرت کے عہد کا ورق اُلٹ دیا گیا۔ اب فضا میں تدبّر، جستجو اور حکمت کی گونج ہے۔ مطالعۂ کائنات کی عام دعوت ہے۔ سیر وسیاحت، دُور اندیشی، حقیقت رسی کو حکمت کا لقب دیا گیا وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ ہم نے لقمان کو حکمت کے راز بتائے قرآن میں جہاں تفصیلاً لقمان کی حکمتیں بیان ہوئی ہیں وہاں ہم کو ایسی بھی چیزیں ملتی ہیں جن سے زندگی کی اُلجھی ہوئی زلفیں سنورتی ہیں اور بگڑی ہوئی تقدیر بنتی ہے، اسلام نے حکمت پر وقوف واطلاع کو بڑی کامیابی کہا يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ وَ مَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا۔ عبرت اور موعظہ کو حکمت کہا لَقَدْ جَآءَ مِنَ الْاَنْۢبَآءِ مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ۔ وحیِ محمد کو حکمت کہا: ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ لفظ علم کو بالکل جدید ترین تفسیر کے حدود

میں استعمال کیا وَفَوْقَ کُلِّ ذِی عِلْمٍ عَلِیْم۔ علم کو معارف دنیوی کے معنی میں استعمال کیا قارون کی زبان سے کہا: اِنَّمَا اُوْتِیْتُہٗ (اَلْمَالَ) عَلٰی عِلْمٍ عِنْدِیْ، دعوت جہاد، دعوت اخوت، بُت پرستی کی مخالفت، جنت ودوزخ سے رغبت ونفرت، جنگی وتمدنی واجتماعی مسائل، گزشتہ قوموں کے قصے۔ اخلاقی ہدایات یہ سب اہم ترین مضامین اُبلتے ہوئے الفاظ میں اس طرح پیش ہوئے کہ قدیم الفاظ ومعانی کے کھنڈر سے نگاہیں خستگی محسوس کرنے لگیں ادب واخلاق وفلسفہ سب کے لئے نئے سانچے بنے۔

وحی والہام کے بادل جھوم جھوم کے برسے۔ فیض سے اثر لینے والوں میں جس جس قسم کی صلاحیتیں تھیں اور جتنی جس کی عقل اور جتنا شعور تھا اسی کے مطابق ویسا ہی اثر قبول کیا۔ ابوجہل نے آفتاب کی شعاعوں سے آنکھیں لڑا لڑا کر اپنے کورانہ پن میں اور اضافہ کرلیا۔ سلمانؓ، ابوذرؓ، مقدادؓ اور ہاشم کے پرپوتے فاطمہؑ بنت اسد اور ابوطالبؑ کے نوردیدہ نے اس قدر اکتساب نور کیا کہ ان کی نگاہوں سے غیب کے پردے اُٹھ گئے

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست
در باغ لالہ روید ودر شورہ بوم خس

اسلام کا پہلا مُفکر کون ہے

وحی الٰہی سے سب نے حسبِ حیثیت اثر لیا لیکن جس بزرگ نے اپنے دماغ کو ''محمدی اندازِ فکر'' کا عادی بنا لیا، دماغ کو وہی پرواز۔ وہی نکتہ رسی وہی الہامی تدبّر عطا کیا۔ یہ تمام خوبیاں مربی کے فیض تربیت اور متاثر کے لا انتہا شوق اور کمال استعداد نے ایک ہستی میں پیدا کردیں۔ جس کی کتاب زندگی کا ایک ایک حرف حیرت واستعجاب اور عظمت وہیبت کے ساتھ صدیوں سے پڑھا جارہا ہے اور رہتی دنیا تک پڑھا جائے گا۔ مسروق جو پہلی صدی ہجری کے مشہور تابعی اور نقاد ہیں درسگاہِ رسالت کے فاضل طالب علموں کے فضل وکمال کے مراتب پر روشنی ڈالتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں نے ان سب کے علم کا سرچشمہ حضرت علیؑ کی ذات کو پایا۔ (طبقات ابن سعد، ۱۱۱-۱۱۰)

یہی مسروق ایک اور موقع پر اسی موضوع پر اظہار رائے کرتے ہیں:

لَقَدْ جَالَسْتُ اَصْحَابَ مُحَمَّدٍ فَوَجَدْتُّھُمْ کَا لْاَخَاذِ۔ فَا لْاَخَاذُ یُرْوِی الرَّجُلَیْنِ۔ وَالْاَخَاذُ یُرْوِی الْعَشْرَۃَ وَالْاَخَاذُ یُرْوِی الْمِأَۃَ وَالْاَخَاذُ لَوْ اُنْزِلَ بِہٖ اَھْلُ الْاَرْضِ لَاَصْدَرَھُمْ۔ (طبقات بن سعد، ۲، ۱۰۴)

''میں اصحاب رسولؐ کے ساتھ بیٹھتا رہا میں نے ان کو نہر کے مثل پایا کوئی ایسی نہر جو دو آدمیوں کو سیراب کردے اور کوئی ایسی نہر جو دس آدمیوں کو اور کوئی سو کو اور کوئی نہر ایسی تھی کہ اگر کل اہل زمین اس سے سیراب ہونا چاہیں تو وہ سیراب کردے۔''

وہ چشمہ جس سے سارا عالم اگر پیاس بجھانا چاہتا تو وہ اپنے معلومات کے ناپیدا کنار سمندر سے سب کو سیراب کردیتا علیؑ کی ذات میں تھا کون علیؑ، کعبہ کا مولود، عرب کی عظمت، قریش کا مہر درخشاں، اسلام کا نیّر اعظم، کون علیؑ؟

عبدالمطلبؑ کے پوتے۔ ابوطالبؑ کے فرزند، فرزند عبدؐاللہ وآمنہؑ کے برادرعم زاد و داماد اور مدرسۂ رسالت کے سلیم الفطرت ونکتہ رس، سب سے پہلے اور سب سے ممتاز فاضل، مفکرین کی دنیا کا ایک بے مثال وجود جس نے فلسفہ اور دین میں سمجھوتا کرایا۔ دل اور دماغ میں دوستی کرائی اور ایک کو دوسرے کا مددگار بنا کر خوش بختی۔ دماغی آسائش روحانی اطمینان کو مخفی کائنات کا سراغ بتایا اور سوسائٹی کے لئے ایسا پاکیزہ، منصفانہ اور ترقی پرور نظام چھوڑا جس پر چل کر یہ دنیا معصوموں کی دنیا بن سکتی ہے۔

حضرت علیؑ کا یا یہ بیان اُن کے خزانۂ حکمت کی ایک کنجی ہے اور اس سے ان کے نظام فلسفہ اور نظام مذہب کے سمجھنے میں کافی مدد ملتی ہے۔ فرماتے ہیں:

مَنِ اسْتَحْكَمَتْ لِيْ فِيْهِ خَصْلَةٌ مِنْ خِصَالِ الْخَيْرِ اِحْتَمَلْتُ عَلَيْهَا وَاغْتَفَرْتُ فَقْدَ مَا سِوَاهَا۔ وَلَا اَغْتَفِرُ فَقْدَ عَقْلٍ وَلَا دِيْنٍ لِاَنَّ مُفَارَقَةَ الدِّيْنِ مُفَارَقَةُ الْاَمْنِ فَلَا يَتَهَنَّأُ بِحَيٰوةٍ مَعَ مَخَافَةٍ۔ وَفَقْدُ الْعَقْلِ فَقْدُ الْحَيٰوةِ وَلَا يُقَاسُ اِلَّا بِالْاَمْوَاتِ۔

(اصول کافی کتاب العقل، ص ۱۵ طبع نول کشور لکھنؤ ۱۳۰۲ھ)

اگر کسی میں کوئی ایک فضیلت بھی اعلیٰ درجہ پر ہو اور باقی صفتیں نہ ہوں تو میں اس پر راضی ہو جاؤں گا لیکن دو کمزوریوں سے چشم پوشی میرے لئے کسی طرح ممکن نہیں ہے۔ عقل اور دین کا نقصان میں کسی طرح معاف نہیں کر سکتا (اس لئے کہ اس پر پورے نظام زندگی کا مدار ہے) اس لئے کہ بے دینی امن عالم کی دشمن ہے۔ لا مذہبیت کے ساتھ زندگی خوشگوار نہیں ہوسکتی۔

مذہب زندگی کو اعلیٰ اصول سے بسر کرنے کا دوسرا نام ہے اور بے عقلی سے سوسائٹی کو ہر وقت خطرہ درپیش رہتا ہے اور عقل کا نقص پوری زندگی کو ناکارہ بنا دیتا ہے اور انسان کا حضرت علیؑ نے زندگی کے آخری لمحہ تک دین اور عقل کے ارتباط بلکہ دونوں کے باہمی شدید ترین احتیاج اور ہر ایک کے کام کے میدان کی تشریح فرمائی۔ استاد سے انھوں نے سنا تھا یَا عَلِیُّ عَلَیْہِ السَّلَامُ لَا فَقْرَ اَشَدُّ مِنَ الْجَهْلِ وَلَا مَالَ اَعْوَدُ مِنَ الْعَقْلِ۔ (اصول کافی، ص ۱۴)

اے علیؑ جہالت سے زیادہ کوئی افلاس نہیں ہے اور عقل سے زیادہ کوئی سودمند دولت نہیں ہے۔

اس سبق کو حضرت علیؑ نے گوشِ دل سے سنا اور انھوں نے اسرار کائنات کی تفسیر میں ہمیشہ ''عقل عمومی'' کو سامنے رکھا۔

حضرت کی نظر میں علم کی تقسیم اور تہذیب وتمدن کی اشاعت ایک انسانی فرض تھا وہ اس مثل کے قائل نہ تھے کہ پیاسے کو کنویں کے پاس جانا چاہئے۔ بلکہ وہ عالم و متعلم دونوں میں کسب فیض اور بخشش فیض کے سلسلہ میں یکساں تشنگی اور بے چینی دیکھنا چاہتے تھے آپ فرماتے تھے:

عَنْ اَبِیْ عَبْدِاللّٰہِ قَالَ قَرَأْتُ فِیْ کِتَابِ عَلِیٍّ اِنَّ اللّٰہَ لَمْ یَاْخُذْ عَلَی الْجُهَّالِ عَهْدًا بِطَلَبِ الْعِلْمِ حَتّٰی اَخَذَ عَلَی الْعُلَمَاءِ عَهْدًا بِبَذْلِ الْعِلْمِ لِلْجُهَّالِ لِاَنَّ الْعِلْمَ کَانَ قَبْلَ الْجَهْلِ۔

(اصول کافی، ص ۲۲ کتاب العقل)

امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں کہ حضرت علیؑ کی ''کتاب'' میں میں نے پڑھا کہ خدا نے جاہلوں سے تحصیل علم کا عہد نہیں لیا جب تک کہ علماء سے اشاعت علم کا پیمان نہیں لے لیا۔

یہی فرض کا وہ احساس تھا یہی وہ بے چینی تھی جو امامؑ کے دل میں خلش بن کر کبھی کبھی آپ کو آہ و کراہ پر مجبور کر دیتی تھی۔ ابن ابی البختری نے ۶ رطریقوں سے، ابن المفضل نے ۱۰ رطریقوں سے، ابراہیم ثقفی نے ۱۴ رطریقوں سے (جن میں عدی بن حاتم اور اصبغ بن نباتہ، علقمہ بن قیس، یحییٰ بن ام الطویل، رزین بن جیش، عبایہ بن رفاعہ، ابوالطفیل شریک ہیں) روایت کی ہے کہ امیر المومنینؑ نے مہاجرین وانصار کے سامنے اپنے سینہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

كَيْفَ مُلِئَ عِلْمًا لَوْ وَجَدْتُ لَهُ طَالِبًا سَلُوْنِيْ قَبْلَ اَنْ تَفْقِدُوْنِيْ۔ هٰذَا سَفَطُ الْعِلْمِ هٰذَا لُعَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ هٰذَا مَا زَقَّنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ زَقًّا۔ فَاسْئَلُوْنِيْ فَاِنَّ عِنْدِيْ عِلْمَ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ اَمَا وَاللّٰهِ ثُنِيَتْ لِيَ الْوِسَادَةُ ثُمَّ اَجْلَسْتُ عَلَيْهَا لَحَكَمْتُ بَيْنَ اَهْلِ التَّوْرَاةِ بِتَوْرَاتِهِمْ وَبَيْنَ اَهْلِ الْاِنْجِيْلِ بِاِنْجِيْلِهِمْ وَبَيْنَ اَهْلِ الزَّبُوْرِ بِزَبُوْرِهِمْ وَبَيْنَ اَهْلِ الْفُرْقَانِ بِفُرْقَانِهِمْ حَتّٰى يُنَادِيْ كُلُّ كِتَابٍ بِاَنَّ عَلِيًّا حَكَمَنِيْ حُكْمَ اللّٰهِ فِيَّ۔

(مناقب بن شہرآشوب، ۶۵/۳)

دیکھو اس سینہ میں کس طرح علم بھرا ہوا ہے کاش میں علم کا کوئی طلبگار پاتا مجھے گم کرنے سے پہلے جو پوچھنا ہو، پوچھ لو۔ یہ سینہ علم کا گنجینہ ہے، یہ لعاب رسولؐ کی تاثیر ہے۔ یہ اثر ہے اس غیر معمولی شفقت کا جو رسولؐ نے میرے لئے اس پرندے کی طرح مخصوص کر رکھا تھا جو اپنے بچہ کو دانہ بھراتا ہے۔ پوچھ لو۔ میرے پاس ''اولین وآخرین'' کا علم ہے اگر میرے لئے اطمینان کی مسند بچھا دی جائے اور میں اس پر بیٹھ جاؤں تو اہل توراۃ کو توراۃ سے اہل انجیل کو انجیل سے اور اہل زبور کو زبور سے اور اہل قرآن کو قرآن سے زندگی کے مسائل بتاتا اور ہر کتاب یہ پکار اٹھتی کہ علیؑ نے وہی فیصلہ کیا ہے جو منشاء ایزدی کی تشریح کرتا ہے۔

بین الاقوامی صداقت پر یہ عبور اور اپنی منطق اور دماغی اقتدار پر یہ وثوق کہ قدیم وجدید صحائف زندگی سے اپنے دل ودماغ کی بات کو دنیا کے مختلف عقیدے کے انسانوں کا عقیدہ بتا دینے پر مجھے قدرت ہے، یہ کوئی معمولی دعویٰ نہیں ہے اس دعوے کا جس قدر عملی ثبوت حضرت علیؑ سے ظاہر ہوا اس سے دنیا ششدر ہے اور اگر ان کو کافی فراغبالی اور مکمل سکون واطمینان کی دنیا مل گئی ہوتی تو خدا ہی کو اس کا علم ہے کہ یہ دنیا افکار وحالات اور بلند نظریات واصول کے اعتبار سے کتنی اونچی ہوجاتی۔ عیسائی ادیب عبدالمسیح انطا کی مدیر جریدۂ ''العمران'' مصر، امیر المومنینؑ کے متعلق اظہار خیال کرتے ہوئے کہتا ہے:

اِنَّ الْحِكْمَةَ مَاثُوْرَةٌ عَنْ سَيِّدِنَا اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلِيٍّ فَهُوَ بِلَا جِدَالٍ سَيِّدُ الْحُكَمَاءِ وَعَنْهُ تُرْوَى الْحِكْمَةُ فِيْ مَوَاطِنِ السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَقَدْ وَرَدَتِ الْحِكْمَةُ عَلٰى لِسَانِهِ الشَّرِيْفِ فِيْ كَثِيْرٍ مِنْ رَسَائِلِهٖ

وَخُطَبِهٖ وَاَقْوَالِهٖ حَتّٰی قَالُوا اِنَّهٗ کَانَ یَنْطِقُ بِالْحِکْمَةِ فِیْ کُلِّ مَوْطِنٍ اَقَامَ فِیْهِ وَمَجْلِسٍ جَلَسَ وَمَوْقِفٍ وَقَفَهٗ بَلْ کَانَتْ جَمِیْعُ اَقْوَالِهِ الشَّرِیْفَةِ وَاَعْمَالِهِ الْمَنِیْفَةِ کُلِّهَا مَاثُوْرَةً مُنْثَقِبَةً عَنْ تَوَقُّدِ ذَکَاءٍ وَسَعَةِ تَجْرِبَةٍ وَاِخْتِیَارٍ۔

حکمتیں حضرت علیؑ سے منقول ہیں اور وہ بغیر بحث واختلاف کے سید الحکماء ہیں اطمینان اور کشاکش زندگی کے ہر دور کے متعلق ان سے حکمتیں مروی ہیں آپ کے خطوط واقوال اور خطبے حکمتوں سے اس کثرت سے بھرے ہوئے ہیں کہ لوگ کہتے ہیں کہ حضرت جہاں بیٹھ جاتے تھے حکمت کا خزانہ لٹاتے تھے بلکہ آپ کے تمام اقوام واعمال حکمت کے دریا تھے جو وسیع تجربہ اور آزمائش اور کامل ترین زیرکی کے سرچشمے سے پھوٹ نکلے تھے۔ استاد نواد فرام بیروت کے عیسائی ادیب نے نہج البلاغہ کے ایک انتخاب میں آپ کو ''اَوَّلُ مُفَکِّرِی الْاِسْلَامِ'' لکھا ہے۔

حضرت علیؑ نے زندگی کا اوسط ساٹھ سال لگایا ہے جس میں تیس سال رات کے منہا کئے ہیں تیس سال میں پندرہ سال بچپنے کی غفلت کے رکھے ہیں پندرہ سال کا نصف زمانہ شباب کی آرزوؤں اور عیال کے لئے کسب رزق میں شمار کیا۔ باقی عمر بڑھاپے کے حصہ میں رکھی ہے۔ یہ ہماری زندگی کا میزانیہ ہے جس سے کروروں انسانوں کی زندگیاں ناپی جاسکتی ہیں لیکن خود امیر المومنینؑ نے افادات وخدمات کے لحاظ سے اپنی زندگی کے ایک لمحہ کو لاکھوں سال کی درازی میں منتقل کردیا نبیؐ کے ساتھ ۱۳ رسال مکہ میں گزارے ۲۴ رسال کی عمر میں مدینہ سے ہجرت کی، ۱۶ رسال کی عمر میں رسولؐ سے کئی دشمنوں کے حملوں کو روکا، ۱۹ رسال کی عمر میں میدان جنگ میں زمانے کے پہلوانوں کے پنجے مروڑے، ۲۲ رسال کی عمر میں باب خیبر اکھاڑا، ۳۰ رسال شمع رسالت کے گل ہوجانے کے بعد بحیثیت شارحِ فلسفۂ اسلام کے زندگی گزاری جس میں دوسال چار ماہ خلیفہ اول کے عہد کے اور ۹ رسال اور کچھ مہینے خلیفہ ثانی کے زمانے کے اور ۱۲ رسال خلیفہ سوم کے زمانے کے اور ۵ رسال اپنی خلافت کے زمانے کے شامل ہیں۔ اہل وعیال کی پرورش کے لئے معاشی جدوجہد، پریشاں حال سوسائٹی کی غمخواری اور مالی مدد کے لئے تحصیل مال کی تدبیر، اسلام پر مخالفین کے دماغی اعتراضات کے لئے وقت نکالنا اسلامی نظام زندگی اوراس کے جزئیات کی تشریح وتفصیل کرنا، جہاں منطق واستدلال بے اثر ہوتا ہے وہاں تلوار کی روشنی پہنچانا علم کی ہر شاخ کو سیراب کرنا۔ متقدمین کے غلط نظریات اور محرف تاریخ کی تصحیح کرنا یہ سب خدمات ایک انسان کی سیرت اور تاریخ زندگی میں سمٹے ہوئے ہیں۔ حضرت علیؑ کی زندگی پر غور کرتے وقت ہر صلاحیت کے انسان نے حیرت کو پیش پیش پایا۔ بوعلی سینا کو یہ کہتے ہوئے سنا جاتا ہے کہ لَمْ یَکُنْ شُجَاعًا فَیْلَسُوْفًا قَطُّ اِلَّا عَلِیٌّ۔ علیؑ کے سوا تاریخ عالم میں کوئی دوسری ذات نہیں ملتی جو شجاعت اور علم دونوں کا مرکز ہو، فلسفی آپ کے فلسفہ میں مست ہیں۔ ادیب آپ کے ادب سے نئی نئی دنیا آباد کررہے ہیں علماء کے نفسیات آپ سے نفسیاتی مسائل پر دقیق نکات معلوم کررہے ہیں۔ جدید سائنس آپ کے انکشافات کی روشنی میں راستہ طے کررہی

ہے۔ پہلی صدی ہجری سے اس وقت تک دنیا اُن لفظوں کے جمع وتدوین کرنے میں مصروف ہے۔ جو آپ کے دہن سے سُنی گئیں اور قلم سے نکلیں کافی کلینی متوفی (م ۳۲۸ھ) خصوصاً روضۂ کافی میں، توحید صدوق (م ۳۸۱ھ) مَنْ لَا یَحْضُرُہُ الْفَقِیْہُ میں، امالی صدوق میں، کتاب مدینۃ العلم میں، کتاب خصال وعلل الشرائع، معانی الاخبار، ارشاد شیخ مفید (م ۴۱۳ھ) میں عقد الفرید بن عبد ربہ (م ۳۲۷ھ) میں، نثر الدرر وزیر ابی سعید منصور (م ۴۲۲ھ) میں، تحف العقول حسن بن شعبہ حرانی میں، طبری (م ۳۱۰ھ)۔ آپ کے سیکڑوں خطبے اور مقولے درج ہیں۔ صحابہ وتابعین وعلماء ادب نے آپ کے مقولات ومراسلات وقضایا کو جمع کیا جس کی تفصیل کا موقع نہیں ہے کتابیں دست بُرد زمانہ سے اس وقت محفوظ ہیں اُن میں بھی دنیا کے لئے خیر وبرکت کا کم سامان نہیں ہے۔ نہج البلاغہ جس میں آپ کے ۲۴۲ خطبے، ۷۸ مراسلات اور ۴۹۸ حکمتیں ہیں تنہا اپنے افادات کے اعتبار سے عالم کی قسمت سنوارنے کے لئے کافی ہے۔ اس کے علاوہ آپ کے شعر کا دیوان، دستور معالم الحکم، غرر الحکم، نثر اللئالی، مستدرک، نہج البلاغہ، صحیفہ علویہ وغیرہ مبسوط جوامع آپ کے نظریات وتحقیقات کے ہیں جن سے تحقیق کی دنیا میں بڑا اضافہ کیا جاسکتا ہے صرف نہج البلاغہ وعظ ونصیحت، ہیئت، مسئلہ پیدائش عالم، الٰہیات، اخلاقیات وسیاسیات کے عظیم ترین انکشافات سے لبریز ہے کہ اگر عشاق انسانیت ادھر متوجہ ہوں تو بغیر تفریق مذہب وملت بہت سے علوم وفنون ونظریات کے نقائص ان تحقیقات سے دُور ہوسکتے ہیں۔ اگر کبھی موقع ملا تو بتایا جاسکتا ہے کہ ہزاروں انسانوں نے اس مرشد اعظم اور محسن اکبر سے اپنی اپنی زندگیاں بنا لیں اور وہ دنیا کے بڑے بڑے صاحب طرز مصنف وشاعر وخطیب وفلسفی بن گئے عمر بن بحر جاحظ (م ۲۲۵ھ) جو خود تیسری صدی میں ادب کا سب سے بڑا امام مانا جاتا ہے امامؑ کے صرف ایک فقرے پر سر دھنتا ہے اور یونان وروما وہندو ایران کے ذخیرۂ فکر کو اس کے سامنے سبک سمجھتا ہے۔ وہ امیر المومنینؑ کا یہ فقرہ قِیمَۃُ کُلِّ اَمْرِءٍ مَا یُحْسِنُ نقل کر کے لکھتا ہے لَا اَعْلَمَ فِی کَلَامِ النَّاسِ کُلِّہٖ اَحْکَمَ مِنْ ھٰذِہِ الْکَلِمَۃِ۔ (تاریخ خطیب بغداد، ۳۵/۵ طبع مصر ۱۳۴۹ھ) مجھے کسی انسان کے کلام میں اس سے زیادہ کوئی حکیمانہ فقرہ نہیں ملا۔

اقتصادیات

آج کل دنیا کا سب سے بڑا مسئلہ اقتصادیات کی شکل میں نگاہوں کو اپنی طرف موڑے ہوئے ہے۔ غریبوں میں جذبۂ احساسِ کمتری اور یاسیت کا انتہائی غلبہ ہے اور عام خیال یہ ہوگیا ہے کہ بغیر سرمایہ کے عفت وشرافت واصول پرستی اور دماغی بلندی کے امکانات نہیں ہیں۔ غریب افلاس کی وجہ سے اخلاقی پستی میں مبتلا ہیں اور دولت مند دولت کے مصرف اور دولت کے پاک ذرائع سے ناواقف ہوکر بدترین رزائل کی مثالیں بنے ہوئے ہیں حضرت علیؑ نے اپنی زندگی میں اقتصادیات کی اصلاح پر بڑا زور دیا تجارت وزراعت وغیرہ کے لئے کافی آسانیاں مہیّا کیں۔

امام محمد باقرؑ کا بیان ہے:

قَالَ اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ سُوْقُ الْمُسْلِمِیْنَ مَسْجِدُھُمْ لِمَنْ سَبَقَ اِلٰی مَکَانٍ فَھُوَ اَحَقُّ بِہٖ اِلَی اللَّیْلِ قَالَ وَ کَانَ لَا یَاخُذُ عَلٰی بُیُوْتَ السُّوْقِ کِرَاءً

(اصول کافی، کتاب المعشر ہ،ص ۶۸۵)

حضرت امیرالمومنینؑ نے فرمایا کہ مسلمانوں کے بازار کی مثال مسجد کی سی ہے جو شخص کسی جگہ پر پہلے پہنچ جائے اس جگہ پر اس کا حق شب تک رہتا ہے۔ امیرالمومنینؑ بازار کے مکانوں کا کرایہ نہیں لیتے تھے۔

اس حدیث میں جو خاص بات قابل التفات ہے وہ یہ کہ امیرالمومنینؑ دوکانوں کا کرایہ نہیں لیتے تھے تاکہ تجارت کا رواج ہو اور جمہور کو آسانیاں ہوں اور شائستہ زندگی کے لئے ملک میں موزوں ماحول تیار ہو تجارت اور زراعت اور دیگر وسائل کسب کے متعلق امامؑ کے نہایت بلند ہدایات ہیں جس کے ذکر کا یہاں موقع نہیں ہے بقول سفیان ثوری وہ عہد جس میں کتّوں کے پیٹ پالے جاتے تھے لیکن انسانوں کو امان نہ تھی۔ حضرت علیؑ نے خود اپنے دل ودماغ اور بازو کی قوت کو عوام کی غربت دور کرنے کے لئے وقف کر رکھا تھا۔ امیرالمومنینؑ کی زندگی سے ایک زبردست سبق ملتا ہے کہ انسان آمدنی کی ادنیٰ حالت میں بھی بڑے کام کر سکتا ہے شہرت وقبولیت علم اور ہر دلعزیزی، بلند کردار اور اعلیٰ خدمات سے وابستہ ہے اور وہ بغیر روپیہ کے بھی ممکن ہے۔ حضرت علیؑ کی ذات ایسی ہے جو ادنیٰ طبقہ سے اعلیٰ طبقہ تک سب کے لئے ہدایت کا چراغ ہے۔ محنت ومشقت سے روزی حاصل کرنا اور ایک بڑی سلطنت کا نظم ونسق قائم رکھنا۔ مستقبل کے لئے حالات کا دفتر چھوڑ جانا یہ ہر دماغ کا کام نہیں ہے۔ سچی قربانی، حقیقی ایثار، علم وفضل اور شجاعت وتجارت کی اگر تصویر بن سکتی ہوتی اور اس کا کوئی البم بنتا تو وہ علوی صفات ہی کا مرقع بن جاتا۔ کارل مارکس، لینن، ٹالسٹائی کے ناقص نظریۂ مساوات کی ہم کو کبھی ضرورت نہ ہوتی اگر ہم علوی اقتصادیات اور اصول زندگی سے واقف ہوتے کاش مسلمانوں میں غیرت وحمیّت پیدا ہو اور یورپ کے مشرکانہ نظام زندگی کے بوجھ سے زندگی کو ہلکا کرنے کا خیال پیدا ہو اور امیرالمومنینؑ کے آستانہ پر ہماری پیشانیاں جھکیں جس سے ہم سرفرازانِ عالم کے سامنے سر اُٹھانے کے قابل ہوسکیں۔ مسلمانوں نے اقلیم علم کے اس فاتح اعظم کو تاریخ کے مقامی مسائل میں اُلجھا رکھا اور وہ سطحی ومناظرانہ فرسودہ مسائل سے آگے نہیں بڑھتے۔ امامؑ کے تعلیمات اور اصول زندگی سے بالکل غفلت برتی جارہی ہے۔ حضرت علیؑ کو جس زمانے میں پیدا ہونا چاہئے تھا وہ اس سے ہزاروں سال پہلے پیدا ہوئے، وہ اپنے زمانے میں ایک معمّہ تھے انھوں نے خود کچھ دماغ پیدا کئے جو ساحل پر بیٹھ کر ان کے دریائے فکر کی کچھ موجیں گن لیتے تھے، ابن عباس کو اگر حضرت علیؑ نے اپنے علوم کو سمجھانے اور تعلیم کے لئے ان کے ایسے افاضل نہ تیار کئے ہوتے تو امامؑ کو اپنے تاریک ماحول میں اپنے دماغی تجلیوں کے مظاہرے کا کچھ بھی موقع نہ ملتا، کاش ایک جماعت مسلمانوں میں ایسی پیدا ہوتی جو امامؑ کے علمی شاہکار کی اشاعت کے لئے اپنی زندگی وقف کر دیتی۔

۞۞۞